مسلمانوں کے موجودہ انحطاط پر ایک نظر

از جناب خان بہادر محمد ذکاء اللہ خان صاحب دیوان ریاست دتیہ

اسلام میں عمل کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ خداوند جل وعلیٰ نے اپنے کلام پاک میں ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا قریب قریب ہر جگہ ذکر فرمایا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ایمان کے بعد ایک مومن کے لیے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ عمل صالح ہے۔ مثلاً۔

(۱) فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ۝ (سورۂ قصص رکوع ۷)

(۲) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (سورہ عنکبوت رکوع ۱)

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ (ایضاً)

(۴) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۔ (ایضاً رکوع ۶)

(۵) فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ۔ (سورہ روم رکوع ۲)

(۶) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورہ احقاف رکوع ۲)

کلام پاک کی مندرجہ ذیل آیت جس میں حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی زندگی کا نقشہ وجد پیدا کرنے والے الفاظ میں کھینچا گیا ہے، اس میں بھی عمل کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

(۷) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ
رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ
السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ رکوع فتح ع ۴

آیات مندرجہ بالا کے مطالعے سے قارئین کرام پر واضح ہو گیا ہوگا کہ کلام پاک ایمان کے ساتھ عمل کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور کیوں نہ دے جبکہ حکمت خداوندی کا مقتضا ہی یہ تھا کہ امت محمدیہ خیر امۃ، اور امۃ وسطاً اور شھداء للہ علی الناس ہو اور اپنے اعمال صالحہ کے لحاظ سے تمام امم سابقہ پر فوقیت لے جائے۔

اور عقلاً بھی عمل کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ ایمان کا معاملہ تو بندے اور اس کے مولیٰ کے درمیان ہے۔ وہ ہمارے قلوب کا دیکھنے والا علیم بذات الصدور ہے بس اگر ہم سچے دل سے نورحق کے متلاشی ہوں تو وہ ہماری کمی یا لغزش ایمانی کو معاف کرنے والا ہے۔

لیکن ہمارے اعمال کا اثر خود ہماری ذات پر پڑتا ہے، ہماری اولاد پر پڑتا ہے، ہمارے کنبہ اور قبیلہ پر پڑتا ہے بلکہ کافۃ المسلمین اور کافۃ الناس پر پڑتا ہے۔ اس لیے جس قدر بھی عمل کو اہمیت دی جائے وہ تھوڑی ہے۔ ہم مسلمان اگر اپنے نیک اعمال اور ستودہ خصائل کی بنا پر اپنے آپ کو دوسری اقوام اور دیگر مذاہب کے متبعین کے مقابلہ میں برتر اور بہتر ثابت کر دیں تو ہم دنیا میں اسلام کا سچا نمونہ، اور اس کی حقانیت کا زندہ ثبوت بن جائیں گے، لوگ خود بخود ہمارے دین کی طرف کھنچنے لگیں گے اور ہمارے عین وجود سے اللہ کا کلمہ بلند ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر ہم من حیث القوم اپنی بداعمالیوں اور اخلاق ذمیمہ کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسری قوموں کے مقابلہ میں گرا دیں گے

تو ہم نہ صرف اپنی ہی تذلیل کا باعث ہوں گے بلکہ دین اسلام کی توہین کا سبب بھی بن جائیں گے۔ ہمارے اسلاف نے جو اقصائے عالم میں اسلام پھیلایا تو ان کے پاس اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے قوی کیا ہتھیار تھا؟ یہی ان کے نیک اعمال اور ستودہ اخلاق چین میں اسلام کبھی فاتحانہ حیثیت سے نہیں گیا مگر وہاں مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچی ہے۔ جزائر ہند مثلاً جاوا، سماٹرا، بورنیو وغیرہ میں بھی اسلام محض اہل اسلام کی عملی اور اخلاقی فوقیت کی بنا پر پھیلا۔ ان شرقی جزائر میں سے ایک جزیرہ میں اسلام کی اشاعت کے متعلق جو روایت ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھی ہے یہاں اس کا نقل کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے :-

"جب میں اس جزیرہ میں پہونچا تو میں نے ساری آبادی کو مسلمان پایا مجھے نہایت تعجب ہوا کیونکہ جہانتک مجھ کو علم تھا مسلمان اس جزیرہ میں فاتحانہ یا تاجرانہ حیثیت سے کبھی نہیں پہونچے تھے تحقیقات سے جو روایت اہل جزیرہ کے اسلام لانے کی معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ

عربوں کا کوئی تجارتی جہاز حسب معمول مشرق اقصیٰ کی طرف تجارت کی غرض سے جارہا تھا۔ اثناء سفر میں جہاز انہی مشرقی جزائر کے قریب تھا کہ سمندر میں سخت طوفان آیا۔ جہاز تباہ و برباد ہوگیا۔ اور اس تباہ شدہ جہاز کے مسافروں میں سے ایک شخص ایک تختہ پر بیٹھا ہوا بچ گیا اور اس کا تختہ اسی جزیرہ کے کنارے جا لگا۔ یہ شخص ایک مراکشی عرب تھا۔ اور اس جزیرہ میں کوئی اسکا یار و مددگار نہ تھا۔ اس نے اس جزیرہ میں ایک بڑھیا کے گھر پناہ لی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور اس کو فروخت کرتا۔ اسی طرح وہ ایک عرصہ تک اپنی بسر اوقات کرتا رہا

ایک روز حسب معمول جب یہ عرب جنگل سے لائی ہوئی لکڑیاں بازار میں بیچ کر بڑھیا کے گھر پہونچا تو اس نے دیکھا کہ بڑھیا اور اس کی ناکتخدا جوان لڑکی بہت سخت جزع و فزع میں مصروف ہیں۔ عرب نے ان سے ان کے رونے دھونے کی وجہ دریافت کی تو بڑھیا نے بیان کیا کہ

ہمارے اس جزیرہ میں ہر مہینہ کی کیم معین تاریخ کو سمندر کے کنارے ایک بلا نمودار ہوتی ہے۔ جزیرہ اور اہل جزیرہ کو اس بلا کے اثرات بد سے بچانے کا یہ طریقہ عرصہ سے چلا آتا ہے کہ تاریخ مقررہ پر ایک دوشیزہ لڑکی جزیرہ والوں کی طرف سے غروب آفتاب کے بعد ایک مندر میں جو سمندر کے کنارے ہے حکومت کی طرف سے پہونچا دی جاتی ہے۔ دوسرے روز صبح کو جب حکومت کے آدمی اس لڑکی کو لینے جاتے ہیں تو وہ لڑکی مردہ ملتی ہے اور اس کی بکارت زائل شدہ پائی جاتی ہے۔ ہر سال قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کونسی لڑکی بھیجی جائے۔ یہاں تک بیان کرنے کے بعد بوڑھیا اور زیادہ روئی اور کہا کہ اس مرتبہ قرعہ میری لڑکی کے نام نکلا ہے جو میری اکلوتی بیٹی ہے اس وجہ سے ہم دونوں اس رنج ومصیبت میں مبتلا ہیں۔

عرب نے یہ دردناک داستان سنکر بڑھیا سے کہا کہ اور تو میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا لیکن اگر اس طرح تمہاری لڑکی کی جان بچ سکے تو میں تمہاری لڑکی کے بجائے بلا پر بھینٹ چڑھنے کے لیے مندر پر جانے کو تیار ہوں۔ تم مجھ کو اپنی لڑکی کے زنانہ کپڑے پہنا دینا تاکہ مجھکو کوئی پہچان نہ سکے۔ یہ عرب صاحب ان مردوں میں سے تھے جن کے ڈاڑھی مونچھ نہیں ہوتی یا قریب صفر کے ہوتی ہے۔ چنانچہ بڑھیا نے عرب صاحب کی تجویز کو منظور کر لیا۔ اور ان کو اپنی لڑکی کے زنانہ کپڑے پہنا دیئے۔ جب حکومت کے سپاہی بڑھیا کی لڑکی کو لینے آئے تو اس نے اُن عرب کو اپنی لڑکی کے بجائے سپاہیوں کے حوالہ کر دیا۔ سپاہی حسب دستور اس عرب کو اس مندر پر لے گئے اور وہاں بٹھا کر واپس چلے آئے۔ یہ عرب صاحب حسن اتفاق سے حافظ قرآن بھی تھے اور ان کو اس کے انکشاف کا شوق بھی تھا کہ یہ کیا بلا ہے جو دوشیزہ لڑکیوں کی بکارت زائل کر دیتی ہے اور ان کی موت کا باعث ہوتی ہے

چنانچہ ان عرب صاحب نے وضو کیا، نماز پڑھی، اور بعد نماز کے بآواز بلند نہایت اطمینان کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ رات کے بارہ بجے کے قریب افق کی طرف سے کوئی جہاز کی شکل کی چیز نمودار ہوئی جس میں خانے ہی خانے تھے اور سب خانے روشن تھے۔ یہ شے آہستہ آہستہ جزیرہ کے کنارے تک آکر رک گئی۔ ادھر یہ عرب صاحب بدستور اپنی تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہے۔ تھوڑی دیر ٹھیر کر وہ شے جس طرف سے آئی تھی اسی طرف آہستہ آہستہ واپس چلی گئی اور پھر نظر سے غائب ہو گئی۔ ان کو کوئی گزند نہیں پہونچا یا۔ صبح کو جب حکومت کے سپاہی بزعم خود اس لڑکی کی نعش لینے آئے تو دیکھا کہ لڑکی صحیح وسالم بیٹھی ہے۔ سپاہیوں کو سخت تعجب ہوا اور اس لڑکی کو جزیرہ کے راجہ کے پاس لے گئے۔ راجہ نے جب ان سے جرح کے سوالات کیے تو عرب صاحب کو کل قصہ بیان کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ میں بڑھیا کی لڑکی کے بجائے سمندر کے کنارے چلا گیا تھا۔ کیونکہ بڑھیا نے مجھکو اپنے گھر ٹھیرا کر مجھپر احسان کیا تھا۔ اور میرے مذہب میں احسان کا بدلہ احسان ہے۔ راجہ پر ان کی اس تقریر کا بہت بڑا اثر پڑا۔ اس نے دریافت کیا کہ تمکو ایسے خوف کی جگہ جاتے ہوئے ڈر نہیں معلوم ہوا؟ عرب صاحب نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو سوائے خدا کے کسی سے ڈرتے ہی نہیں۔ عرب صاحب کے اس جواب اور ان کے عمل سے راجہ اور اس کے اہل دربار بہت متاثر ہوئے لیکن راجہ نے عرب صاحب سے کہا کہ اگر اگلے مہینے کی تاریخ مقررہ پر تم پھر اسی مندر پر جاؤ اور وہاں سے صحیح وسالم آجاؤ تو ہم تمہارے معتقد ہو جائیں گے۔ انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ آئندہ مہینہ کی تاریخ مقررہ پر یہ پھر اسی مندر پر گئے اور صحیح وسالم واپس آگئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ راجہ مع کل اہل جزیرہ کے مسلمان ہو گیا۔

اس روایت سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان ایسا اخلاق، ایسا عمل اور ایسی قوت ایمان رکھتے تھے کہ ان میں کا ایک فرد بے یار و مددگار ایک غیر معروف جزیرہ میں اپنے جہاز کے تباہ ہونے کی وجہ سے پہونچتا ہے اور محض اپنی اخلاقی طاقت سے ایک قوم کی قوم کو مسخر کر لیتا ہے۔ وہ بے وسیلہ اور غریب الدیار ہونے کے باوجود در بدر بھیک نہیں مانگتا پھرتا، بلکہ اپنی قوت بازو سے روزی کماتا ہے۔ پھر وہ اپنی احسان شناسی، ایثار، جرأت، خدا پرستی اور کمال ایمانی کا ایسا نمونہ پیش کرتا ہے کہ وہ لوگ جن کے درمیان وہ بالکل اجنبی تھا، اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے دل خود پکار اٹھتے ہیں کہ جس مذہب کی تعلیم انسان کو اس قدر بلندی عطا کر دیتی ہے وہ یقیناً سچا مذہب ہی ہوگا۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جب مختلف تمدن آپس میں ٹکراتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کا تمدن اپنے سے افضل اور اعلیٰ درجہ کے تمدن میں جذب اور مدغم ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس اعلیٰ تمدن میں اس قدر رواداری ہو کہ وہ اپنے سے کم متمدن اقوام کو اپنے میں برادرانہ حیثیت سے داخل کرے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں یہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔ اہل عرب کی تاریخ شاہد ہے کہ جہاں جہاں عرب گئے خواہ فاتحانہ حیثیت سے یا تاجرانہ ان سب ممالک کی گویا بالکل ہی کایا پلٹ ہو گئی۔ ایران کو لو یا شام کو، مصر کو لو یا مراکش کو، عربوں کے ان ممالک میں پہونچتے ہی وہاں کے باشندوں میں ایک نئی روح دوڑ گئی، اسلام کے رنگ میں رنگ گئے اور بجائے عربوں کے خود علم برداران اسلام بن گئے۔ عربوں کے سوا دیگر فاتحین اسلام مثلاً عثمانی ترک یا تیموری مغل اپنے ممالک مفتوحہ میں ذمی اقوام کی ایسی کایا پلٹ نہ کر سکے جیسی عربوں نے کی تھی۔

یہ کیوں تھا؟ محض اس لیے کہ اہل عرب نے اس سرچشمہ ہدایت یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دولت ایمان کے ساتھ حسن اخلاق و اعمال صالحہ کی دولت بھی حاصل کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کیا بلحاظ عقیدہ و اخلاق

اور کیا بلحاظ علم و عمل اہل عرب جملہ اقوام عالم پر فوقیت لے گئے۔

وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی ہمعصر اقوام سے اعلیٰ اور افضل تھے۔ اگر فن جنگ میں کوئی ان کا مقابل نہ تھا تو فن تجارت و فلاحت میں بھی کوئی ان کا مقابل نہ تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے اختتام پر مشرق و مغرب کے درمیان جو سلسلہ تجارت تھا وہ سب عربوں کے ہاتھ میں تھا۔ ہندوستان اور خلیج فارس سے جملہ مال تجارت اہل عرب ہی کے ذریعہ سے عرب کے جہازوں پر سسلی اور جنوبی یورپ میں پہنچتا تھا۔ اور اگر کسی قوم کے جہاز بحر ہند میں اپنا پھریرا اڑاتے پھرتے تھے تو وہ صرف عرب قوم ہی کے تھے۔ وہ اوقاف کی روٹیاں کھانے اور وظیفوں اور منصبوں اور جاگیروں پر گزر کرنے کے خوگر نہ تھے بلکہ اس حالت میں سخت جد و جہد کرتے تھے۔ ان کے دل ایمان سے معمور تھے اور ان ولولوں کے لیے ہوئے وہ ابتغائے فضل رب کے لیے دنیا کے گوشے گوشے میں حرکت کرتے پھرتے تھے اور ان کی حرکت کے ساتھ ان کی تہذیب ان کا تمدن، ان کے افکار و علوم ان کے اصول اخلاق بھی چار دانگ عالم میں پھیلتے چلے جاتے تھے۔

پھر علمی حیثیت سے دیکھیے اس زمانہ میں جملہ اقوام عالم جہالت اور ذلت کے قعر عمیق میں پڑی ہوئی تھیں تمام یورپ کلیسائے مسیحی کے ظلم و استبداد کا شکار بنا ہوا تھا کسی کو پوپ اعظم اور کلیسائے روم کے فتووں کے خلاف دم مارنے کا حق حاصل نہ تھا عوام کو مذہبی امور میں کلیسائے روم کے احکام کی مثل وحی آسمانی کے پابندی کرنی لازم تھی اور اپنی رائے اور اجتہاد کو دخل دینے کا کوئی مجاز حاصل نہ تھا۔ مذہبی علوم کی درس و تدریس ایک مخصوص مذہبی گروہ تک محدود تھی اور عوام کسی قسم کی کوئی علمی تحقیقات بلا اجازت کلیسائے روم نہیں کر سکتے تھے۔ متعصدیان مذہبی کی تنگ خیالی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ گیلی لیو (Galileo) نے جب یہ دعویٰ کیا کہ زمین گول ہے تو کلیسائے روم کی طرف سے اس کے خلاف یہ فتویٰ صادر ہوا کہ وہ جلا کر خاکستر کر دیا جائے۔ مذہبی عقیدت اور تنگ خیالی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ (Absolution) یا معافی ناموں کی مثل دیگر اشیاء فروختنی کے کلیسائے روم اور اس کے حوارئین کی طرف سے خرید و فروخت

ہوتی تھی۔ صفائی اور طہارت کے متعلق عیسائی دنیا میں اس قسم کے خیالات راسخ ہو چکے تھے کہ ہر قسم کی طہارت اور صفائی کفر اور الحاد کے مترادف تھی، چنانچہ بہت سے مذہبی پیشوا اس بات کو بہت فخر کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ مدت العمر میں انگلیوں کی پوروں کے سوا ہمارے کسی حصہ جسم کو کبھی پانی نہیں لگا۔ اور اسی کے ساتھ عیسائی دنیا میں یہ خیال بھی راسخ تھا کہ بنی نوع انسان کا نصف طبقہ یعنی طبقۂ نسوان روح انسانی سے معرّیٰ ہے۔

ایک طرف یورپ کی مذہبی دنیا کا یہ حال تھا۔ دوسری طرف مشرق قریب یعنی ہندوستان میں بھی مذہبی دنیا کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ یہاں اگرچہ کسی زمانہ میں فلسفہ اور علم دین نے بہت کچھ ترقی کی تھی مگر ظہور اسلام کے طلوع کے وقت ہندوستان پر بھی گمراہی اور جہالت کے بادل چاروں طرف سے چھائے ہوئے تھے علم دین کا پڑھنا پڑھانا صرف ایک گروہ (یعنی برہمنوں) کے ساتھ مخصوص تھا۔ طبقۂ نسواں اور تمام ان اقوام کے لیے جو دویج جاتی کے محدود حلقہ سے باہر تھیں ویدوں کا پڑھنا پڑھانا تو درکنار چھونا تک ناجائز تھا منوسمرتی کے مطابق اگر وید کا کوئی شبد (لفظ) کسی شدر کے کان میں پڑ جائے تو وہ اس سزا کا متوجب تھا کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالکر اس کو ہلاک کر دیا جائے۔ دویج جاتیوں میں بھی صرف برہمن ہی ویدوں کو پڑھ اور پڑھا سکتے تھے۔ پوجا پاٹ میں برہمنوں کا توسل ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ پادریوں کا عیسائی دنیا میں۔

غرض بندہ اور مولیٰ کے درمیان بلا واسطہ رشتہ نہ عیسائی دنیا میں قائم تھا اور نہ ہندوستان میں ذاتی تحقیق و تدقیق کا دروازہ جیسا کہ مغرب میں بند تھا ویسا ہی مشرق میں۔ یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے از سر نو عبد و معبود کے رشتہ کو جوڑا اور کافۃ الناس کے سامنے یہ زرین اصول پیش کیا کہ بندہ اپنے مولا سے تقویٰ اور نیک اعمال کی بنا پر کسی کے توسل کے بغیر قربت حاصل کر سکتا ہے۔

عقائد اسلام کے مطابق کسی شخص کی نجات (Salvation) بالکل اس پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی نبی ولی یا نعوذ باللہ ابن اللہ سولی پر چڑھے تب اس کی امت کو نجات حاصل ہو بلکہ اسلام کے نزدیک انسان کی نجات اپنے ذاتی اعتقادات اور اعمال پر منحصر ہے۔ اس طرح اسلام نے ہر مسلم کو اپنے اعمال و

انمال اور اعتقادات کا خود ذمہ دار قرار دیکر ہر مسلم پر باب اجتہاد اور اسی کے ساتھ باب تحقیق وتدقیق واکر دیا

تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور خصوصاً اہل عرب نے جہاں کہیں علم وحکمت کا سرچشمہ پایا،

دور دراز کا سفر کر کے اس سے سیراب ہوئے۔

عربوں نے نہ صرف قدیم یونانی علم وحکمت کا احیا کیا بلکہ خود ایک جدید سائنٹفک دور کی بنیاد

ڈالی اور علم وعمل کے آسمان پر آفتاب اور ستارے بن کر چمکے۔ عمل کے میدان میں جہاں خالد بن ولید،

سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن الجراح ہمیشہ دنیا سے خراج تحسین وصول کرتے رہیں گے۔ وہاں علم وحکمت کے

میدان میں غزالی، ابن رشد، رازی، اور ابن سینا باعث رشک ہستیاں ثابت ہوں گی۔

اس وقت کے عربوں کی علم وحکمت کی تلاش اور علمی ترقی کا جو خاکہ مولانا حالی نے اپنے مسدس

کے چند لاثانی بندوں میں کھینچا ہے ان میں سے شروع اور آخر کا بند ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

وہ لقمان وسقراط کے دُرِّ مکنوں ۔۔۔ وہ اسرار بقراط ودرس فلاطوں

ارسطو کی تعلیم سولن کے قانون ۔۔۔ پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں

یہیں آکے مہر سکوت انکی ٹوٹی

اسی باغ رعنا سے بو ان کی پھوٹی

غرض فن ہیں جو مایۂ دین ودولت ۔۔۔ طبیعی الٰہی، ریاضی وحکمت

طب اور کیمیا ہندسہ اور ہیئت ۔۔۔ سیاحت، تجارت، عمارت، فلاحت

لگاؤ گے کھوج اُن کا جاکر جہاں تم

نشاں ان کے قدموں کا پاؤگے واں تم

ان علم وحکمت کے شیدائیوں نے نہ صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو علم وحکمت کی ہر صنف میں معراج

ترقی پر پہونچایا بلکہ سائنٹفک تحقیقات کی راہیں دیگر اقوام عالم کیواسطے بھی کھولدیں۔ وہ جمود جو تمام اقوام

عالم پر طاری تھا محض اُس آزاد خیالی کی وجہ سے جو فضاء عالم میں اسلام نے پیدا کی تھی ٹوٹ گیا۔

جب اسلام جنوبی یورپ اور اسپین میں عیسائیت سے ٹکرایا اور اسلامی آزادی اور حریت کی ہوا عیسائی دنیا میں پھیلی تب ہر شخص نے محسوس کیا کہ مذہبی امور میں ذاتی رائے اور اجتہاد ہر شخص کا فطری حق ہے۔ عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہوا کہ کلیسا روم نے جو طوق غلامی اُن کی گردنوں میں ڈال رکھا ہے وہ انسان کی فطری آزادی اور حریت کے بالکل منافی ہے۔ اس نے کلیسا کے صدیوں کے ظلم و استبداد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مارٹن لوتھر (Martin Luther) نے جرمنی میں پہلی مرتبہ پوپ اعظم اور کلیسا روم کے خلاف اِس بغاوت کی ابتدا کی اور اس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی دنیا میں پروٹسٹنٹ (Protestant) فرقہ کی بنیاد پڑی عیسائی دنیا کی یہی ذہنی آزادی یورپ کی آجکل کی سائنٹیفک اور مادی ترقی کا سنگ بنیاد ہے۔

اسلام سے یہ آزادی کی لہر نہ صرف یورپ میں دوڑی بلکہ ہندوستان کی مذہبی دنیا بھی اس کے اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ مذہبی تحریکیں جن کے بانی گرونانک، کبیر داس، رام موہن رائے ہوئے ہیں سب اسلامی تعلیمات کی رہین منت ہیں۔ سب سے آخری مگر سب سے زیادہ ناشکر گذار مذہبی تحریک یعنی آریہ سماج بھی اسلامی عقائد کی تعلیم سے مستفید ہوئے بغیر نہ رہی اور اگرچہ وہ کبھی اس کا اعتراف نہ کرے گی مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کے بارمنت سے سبکدوش ثابت نہیں کر سکتی۔

مگر افسوس ہے کہ جس اسلام نے اقوام عالم کے قوائے ذہنی کو جمود کی بلا سے نجات دلائی اس کے نام لیوا خود اسی بے حسی اور جمود کا شکار بن گئے۔ انہوں نے تمام دنیا کی عقل اور قوت اجتہاد کو مذہبی پیشواؤں کے بے جا تشدد اور استبداد سے آزادی بخشی مگر خود اپنے اوپر ہر قسم کی علمی و عملی ترقی کا دروازہ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر طریقہ پر بند کر لیا۔

ہمارے مذہبی پیشواؤں کا نقطۂ نظر مذہبی معاملات یا علمی تحقیقات کے متعلق عجیب حیرت انگیز ہے

غیر مذہب والوں کو جب ہمارے مقتدا دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو بڑی شد و مد کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں، اور بجا طور پر دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ہی واحد مذہب ہے جو عقل کی کسوٹی پر پورا اُتر سکتا ہے۔ مگر جوں ہی وہ غیر مسلم اسلام کی ذاتی خوبیوں اور عقل کی کسوٹی پر پورے اترنے والے اصولوں سے بجا طور پر متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں آجاتا ہے ہمارے پیشوایانِ دین کی طرف سے اس کو فتویٰ سنا دیا جاتا ہے کہ اب بحیثیت مسلمان ہونے کے تم کو ذاتی اجتہاد اور عقل سے کام لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اب تمہاری مذہبی معلومات کا انحصار صرف نقل پر ہے۔ اب اگر تم نے مذہبی امور میں نقل کے مقابلہ میں عقل کو دخل دیا تو تم گمراہ ہوئے۔ یہ فتویٰ سن کر وہ بیچارہ سخت مخمصہ میں پڑ جاتا ہے کہ ابھی کیا تھا اور ابھی کیا ہو گیا۔[1]

[1] ترجمان القرآن: یہاں ایک بات کی تشریح ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ انسان کو عقلی تنقید کا حق اس حد تک ضرور حاصل ہے کہ وہ خوب جانچ پڑتال کر دیکھے کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا نہیں، اور قرآن حکیم کتاب برحق ہے یا نہیں، اور اسلام کے بنیادی اصول صحیح ہیں یا نہیں۔ مگر جب عقلی تنقید کے بعد وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کلام اللہ کی حقانیت پر ایمان لا کر مسلمان ہو جائے، تو خود عقل ہی کا یہ اقتضا ہے کہ اس رسول اللہ اور قرآن کے ایک ایک حکم پر تنقید کرنے کا حق باقی نہ رہے۔ اب اگر وہ یہ کہے گا کہ رسول اللہ اور قرآن کی جس بات کو میری عقل قبول نہ کرے گی اسے میں نہ مانوں گا، تو گویا وہ خود ہی اپنے دعوائے ایمان بالرسالت و ایمان بالقرآن کی تکذیب کرے گا، کیونکہ رسول کو رسول بھی ماننا اور پھر اس کے احکام میں چون و چرا بھی کرنا، قرآن کو کتاب اللہ بھی ماننا اور اس کی آیات پر تنقید بھی کرنا، ایک کھلا ہوا متعارض طرز عمل ہے جس کو ہر صاحب عقل بادنیٰ تامل سمجھ سکتا ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد مسلمان کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ عقلی نہیں ہو سکتا کہ وہ قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ کے ثابت شدہ احکام کے آگے سر جھکا دے۔ اس کے سوا اسلام کا اور کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ البتہ مسلم کو اپنی عقل اور اپنا اجتہاد اور اپنی تحقیق صرف اس حیثیت سے استعمال کرنے کا حق ہے کہ قرآن میں فلاں تعلیم جو دی گئی ہے، یا فلاں بات جو بیان فرمائی گئی ہے اس کا صحیح مطلب کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فلاں بات جو منقول ہے، آیا وہ آپ سے ثابت ہے یا نہیں، اور اگر ثابت ہے تو اس کا حقیقی منشا اور مقصد کیا ہے۔ یہ حق بلاشبہ ہر مسلمان کو حاصل ہے اور ہر مسلمان کو پوری آزادی بخشی گئی ہے کہ اس حق کو استعمال کرنے کی استعداد بہم پہنچائے اور اس کے ذرائع سے استفادہ کرے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۱

جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس سے قارئین کرام پر بخوبی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ آجکل کے مسلمانوں کی بعینہٖ وہی حالت ہے جو قرون وسطیٰ میں عیسائی دنیا کی تھی۔ مسلمانوں کی ذہنی آزادی اور قوت اجتہاد ان سے سلب کر لی گئی ہے بلکہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد مسلمانوں پر کم از کم عملی طور پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ ہر قسم کی علمی اور سائنٹیفک تحقیقات کا دروازہ مسلمانوں پر مسدود ہے۔ اور آج جبکہ دیگر اقوام عالم علمی اور سائنٹیفک تحقیقات میں اوج کمال تک پہنچ چکی ہیں، مسلمان علماء کے نزدیک یہ مسئلہ ابھی تک بحث طلب ہی ہے کہ آیا مسلمانوں کو جدید سائنس کی تعلیم حاصل کرنا چاہیے بھی یا نہیں۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اکثر علماء کی رائے، جدید سائنس کی تعلیم کے خلاف ہی ہو گی۔ ممکن ہے کہ کسی عالم کی رائے اس تعلیم کے موافق بھی ہو مگر عملی حیثیت سے تو قریب قریب، بلکہ تمام سائنس کی تعلیم کے مخالف ہیں۔ چنانچہ ہمارے عربی مدارس میں سے کسی میں بھی سائنس کی تعلیم نہیں دی جاتی اور نہ علماء میں سے کسی کو جدید سائنس کے حصول اور اس کے ذرائع کی فکر و تلاش ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک مسلمانوں سے ان کی ذہنی آزادی کا چھن جانا، علمی اور سائنٹفک تحقیقات سے ان کا باز رکھا جانا اور علمی حلقوں میں اس خیال اور اعتقاد کا سرایت کر جانا کہ جو کچھ ہمارے اسلاف لکھ گئے ہیں اس پر ہم کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور ہمارا یہ سمجھ لینا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے، اور ہم میں سے قوت عملیہ کا مفقود ہو جانا جس کی اہمیت میں اس مضمون کی ابتدا میں نصوص سے واضح کر چکا ہوں اور ساتھ ہی ہم میں تن آسانی و آرام طلبی اور محنت و مشقت سے گریز پیدا ہو جانا، مزید براں دینی اور دنیوی تعلیم کی

تکملہ حاشیہ صفحہ ۲۹۰ پس علماء کے خلاف اگر کوئی شکایت بجا طور پر کی جا سکتی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے اس حق کو سلب کر لیا، اور خود اپنے آپ کو بھی اس سے محروم بنا لیا، اور تحقیق و اجتہاد کے تمام حقوق ایک خاص زمانہ کے ائمہ کے لیے مخصوص کر دیے حالانکہ نہ ان ائمہ نے اس تخصیص کا دعویٰ کیا، نہ خدا اور رسول نے اس کا حکم دیا، نہ کوئی عقلی دلیل اس پر قائم ہوئی۔

ایک دوسرے سے بے تعلقی، علماء کے گروہ کا فروعی اور غیر ضروری مختلف فیہ مسائل میں انہماک، عبادات اور محض عبادات ہی کا اصل مذہب سمجھا جانا، اور یہ خیال کر لینا کہ طلب معاش اور اکل حلال طلب دنیا کے مترادف ہیں اور دنیا جیفہ ہے یہ اور اس قسم کے دوسرے خیالات ہمارے زوال اور انحطاط کا باعث بنے ہوئے ہیں اور یہی وہ خاص اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم روز بروز قعر مذلت میں گرتے جا رہے ہیں۔

پس جب تک کہ ہم کو ہماری ذہنی آزادی پھر واپس نہیں ملیگی اور ہر قسم کی علمی اور سائنٹیفک تحقیقات کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار نہ دیا جائے گا اور جب تک کہ اس خیال کی بیخ کنی نہ کی جائے گی کہ باب اجتہاد ہم مسلمانوں پر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے، اس وقت تک ہم مسلمان موجودہ انحطاط سے ترقی کی طرف کبھی گامزن نہ ہو سکیں گے۔

بند شدہ دروازۂ اجتہاد کے کھولنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم سب غیر مقلد بن جائیں اور تمام قیود سے آزاد ہو کر اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ بجانے لگیں۔ نہیں سلف کا اتباع تو ہم بہر حال کریں گے اور ہم کو کرنا چاہیے لیکن باب اجتہاد کو بند کرنے سے جو جمود ہم میں پیدا ہو گیا ہے، اس کا توڑنا یقیناً ضروری ہے۔ اور جب تک وہ نہ ٹوٹے گا۔ ہم ہرگز ابھر نہ سکیں گے

اگر علما اور دیگر اہل الرائے حضرات کو راقم الحروف کی تشخیص مرض سے اتفاق نہ ہو تو وہی ہم کو بتائیں کہ آخر ہمارے جمود و انحطاط کے اصلی اسباب کیا ہیں۔ اور ہم کس طرح ان کو دور کریں۔ مجھے اپنی تشخیص پر اصرار نہیں۔ جو آپ کی رائے میں صحیح تشخیص اور تدبیر علاج ہو وہی کیجیے ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ اس مصیبت کو سمجھنے اور دور کرنے کی کوئی فکر کی جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں اور افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ علماء میں کبھی یہ بحث ہی نہیں چھڑتی کہ مسلمانوں کے انحطاط اور زوال کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان کو کیونکر دور کیا جا سکتا ہے؟ جو رسائل اور جرائد علماء کے زیر اثر نکلتے ہیں ان میں یہ بحثیں تو ضرور دیکھنے میں آتی ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں، یا انعقاد مجالس

میلاد جائز ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ خلفاء اربعہ میں سے کس کو کس پر فضیلت ہے لیکن اس کی بحث کہ مسلمان اپنی موجودہ پستی کی حالت کو کیوں پہنچے اور اس پستی سے ان کو نکالنے کا کوئی طریقہ ہے بھی یا نہیں، کبھی ان مذہبی جرائد میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ غور طلب یہ امر ہے کہ ہمارے علماء کو اس امر کا احساس ہے بھی یا نہیں کہ مسلمان آجکل پستی کی کس حالت تک پہنچ گئے ہیں؟ اگر ہے تو کبھی وہ اس کے اسباب پر غور فرماتے ہیں؟ اور اس کا کوئی علاج تجویز کرتے ہیں؟ اگر تجویز فرماتے ہیں تو وہ تجویز کیا ہے؟

اگر میں اس تحریر کے ذریعہ سے علماء کے گروہ میں یہ احساس پیدا کر سکوں کہ مسلمان اور اسلام اب گرتے گرتے خطرہ کی حالت تک پہنچ چکے ہیں اور یہ کہ اس زوال کے اسباب پر غور کرنے اور اس کا علاج تجویز کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اور یہ کہ یہ کام تمام ان فروعی اور غیر ضروری مباحث سے جو علماء کے مختلف گروہوں کے درمیان آج کل معرکۃ الآراء مباحث ہیں بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ ضروری ہے، تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ سعی اگرچہ وہ بہت ہی حقیر ہے سعی مشکور ثابت ہوئی۔

والسعی منی والاتمام من اللہ

توحید و سنت کا علمبردار۔ الفرقان بریلی

الفرقان دین الٰہی کا مبلغ ملت اسلامیہ کا بیباک محافظ مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں مسلمان کا بہترین مناظر اور جھوٹے پیروں اور جعلی مولویوں کیلئے موت کا پیغام ہے کتاب و سنت اور اصول فطرت کی روشنی میں دین حق کی تائید و حمایت اور مذاہب باطلہ کی تردید و مخالفت اسکا نصب العین ہے وہ اختلافی مسائل پر انتہائی متانت اور بے نظیر سنجیدگی کیساتھ بحث کرتا ہے الفرقان کا ادبی معیار بھی بہت بلند ہے دوسرے مذہبی صحائف میں جسکی نظیر ملنی بھی دشوار ہے اگر آپ ہندوستان میں توحید و سنت کا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں تو آج ہی کی تاریخ سے الفرقان کے خریدار ہو جائیے اور حمایت ملت و احیاء سنت کے فریضہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ (سالانہ چندہ کاغذ قسم اول ہے قسم دوم عا

منیجر الفرقان بریلی یوپی